الاستاذ عباس العزاوی (عراق)

# خواجہ نصیر الدین طوسی

خواجہ نصیر الدین ۱۱ جمادی الاولی ۵۹۷ھ (۱۲۰۱ء) میں پیدا ہوئے۔ اُن کی زندگی کا بڑا حصہ ایران میں گزرا۔ اور وہ بھی زیادہ تر قہستان اور اسماعیلیوں کے مرکز الموت میں[2]۔ خواجہ طوسی کی عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں کثیر التعداد کتابیں ہیں۔ وہ ترکی زبان میں بھی تصنیف و تالیف کرتے تھے۔ ۶۵۰ھ (۱۲۵۲ء) میں مشہور منگول فاتح ہلاکو نے ایران پر فوج کشی کی۔ ایران کو مسخر کرنے میں اسے دیر لگ گئی۔ شعبان ۶۵۳ھ (۱۲۵۵ء) میں ہلاکو نے اسماعیلیوں کے قلعوں کا رُخ کیا اور آخر میں ان کا سب سے مضبوط قلعہ الموت بھی سر ہو گیا۔ اس موقع پر خواجہ طوسی کی ہلاکو سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ ہلاکو کے دربار سے متعلق ہو جاتے ہیں۔ حسن بن صباح کے اسماعیلی سلسلے کا آخری امام رکن الدین خورشاہ ۶۵۵ھ میں منگولوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ خواجہ طوسی خود اسماعیلی نہ تھے بلکہ اُن کا مسلک اثنا عشری شیعہ تھا۔

اسماعیلیوں کو ختم کرنے کے بعد ہلاکو کی فوجیں عراق کی طرف بڑھیں۔ ہلاکو نے اپنے نجومی حسام الدین المنجم سے بغداد پر حملہ کرنے کے بارے میں پوچھا کہ آیا وہ علم النجوم کی رُو سے درست ہوگا یا نہیں۔ حسام الدین نے اسے بتایا کہ بغداد پر حملہ نحس ہوگا اور اس میں ہلاکو کی جان کا بھی خطرہ ہے۔ نیز اس اقدام کے نتیجے میں اور بھی مصیبتیں آئیں گی۔ قحط پڑیں گے اور وبائیں پھیلیں گی۔ حسام الدین اس طرح دراصل ہلاکو کو بغداد پر حملہ کرنے سے باز رکھنا چاہتا تھا۔ حسام الدین تاتاری حکمرانوں کا

---

۱؎ اصل مضمون عربی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ ماخوذ از مجلۃ المجمع العلمی العراقی (المجلد الخامس)

۲؎ الموت وہ قلعہ ہے جہاں حسن بن صباح نے اپنا مرکز بنایا تھا۔ (مترجم)

درباری نجومی تھا۔ خان منگو خان نے اُسے ہلاکو کے ساتھ کیا تھا اور تاکید کی تھی کہ اس سے فال نکلوائے بغیر وہ کوئی اقدام نہ کرے۔

ہلاکو کو اپنے نجومی کی رائے سے اطمینان نہ ہوا، اس نے خواجہ طوسی کی طرف رجوع کیا۔ خواجہ نے اسے بتایا کہ علم النجوم کی رُو سے اس اقدام سے کوئی ضرر نہیں ہوگا بلکہ خلیفہ کو شکست ہوگی۔ وہ مارا جائے گا اور اس کی فوج تتر بتر ہو جائے گی۔ طوسی کی یہ بات ہلاکو اور اس کے سرداران فوج کے دل میں گھر کر گئی اور اس نے بغداد پر یلغار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ۵ صفر ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) کو ہلاکو ایک فاتح کی حیثیت سے بغداد میں داخل ہوا اور اس کی وجہ سے اس کی نظروں میں خواجہ طوسی کی عزت بڑھ گئی اور اس کے ہاں اُن کو خاص مقام حاصل ہو گیا۔

طوسی بہت سے علوم پر عبور رکھتے تھے اور خاص طور سے علم النجوم اور علم الافلاک میں انھیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ انھوں نے ہلاکو کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ انھیں مراغہ میں ایک رصدگاہ تعمیر کرا دے۔ اس رصدگاہ کے ساتھ ایک عظیم الشان کتب خانہ تھا یہیں خواجہ طوسی نے اپنی شہرۂ آفاق کتابیں لکھیں۔ اُن کے ساتھ بہت سے اور مسلمان علمائے فلکیین تھے اور انھوں نے بھی علم النجوم و افلاک پر کتابیں لکھیں۔ مراغہ ہی کی رصدگاہ میں زیج ایل خانی مرتب کی گئی۔

طوسی کی ان کوششوں کی بدولت اس دور میں بھی جو اسلامی تاریخ کے زوال کا دور ہے علم النجوم والافلاک کو فروغ ملا۔ اور رصدگاہ مراغہ کا چرچا دُور دُور تک پہنچا۔ اس طرح ان علوم کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ۱۳۵۳ھ میں جامع طہران میں خواجہ نصیر الدین طوسی کی سات سو سالہ برسی منائی گئی اور انھیں اُن کی عظیم علمی خدمات پر خراج تحسین پیش کیا گیا۔

خواجہ طوسی کافی عرصہ اسماعیلیوں کے ہاں رہے۔ تحصیل علم کرنے کے بعد وہ ان کے ہاں ہی چلے گئے تھے۔ اس عرصے میں انھوں نے جو کتابیں لکھیں، اُن کے نام یہ ہیں:

روضۃ القلوب ۔ رسالہ فی التولی والتبری ۔ تحریر المجسطی ۔ تحریر اقلیدس ۔ تحریر اکرمانالاوس ۔ اخلاق ناصری ۔ روضۃ التسلیم مطالب المؤمنین ۔ شرح الاشارات ۔ ان کے علاوہ انھوں نے علم النجوم و الافلاک پر بھی کتابیں تصنیف کیں۔ اُن کی دوسری تصنیفات اُس دور کی ہیں جب وہ ہلاکو کے ساتھ متعلق ہو گئے تھے۔

طوسی کا انتقال ۱۸ ذی الحجہ ۶۷۲ھ (۱۲۷۴ء) کو بغداد میں ہوا اور کاظمیہ میں دفن کیے گئے۔

یوں تو خواجہ طوسی کی بہت سے علوم پر نظر تھی اور وہ اُن سب میں مہارت رکھتے تھے۔ لیکن فلسفہ اشراقیہ اور فلسفہ یونانی سے انھیں خاص لگاؤ تھا۔ اسی طرح وہ علم النجوم والافلاک میں بھی کامل درک رکھتے تھے۔ ہم یہاں اُن کی صرف اس خصوصی علم سے دلچسپیوں کا ذکر کریں گے۔ اسی علم کی بدولت اُن کو ہلاکو کے ہاں تقرب حاصل تھا۔ نیز اس علم کو اسماعیلیوں میں بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ صرف اسماعیلیوں میں نہیں بلکہ عباسی خلافت میں دوسرے قدیم علوم عربی میں منتقل کیے گئے تو ان میں یہ علم بھی داخل تھا اور اسی وقت سے عباسی خلفا کے درباروں میں ایک نجومی کا عہدہ بھی ہوا کرتا تھا۔ جب تاتاریوں کے ہاتھ میں اقتدار آیا تو وہ بھی علم النجوم کو ماننے لگے۔ اور جنگی معرکوں اور دوسرے بڑے بڑے کاموں کے لیے وہ نجومیوں سے مبارک ساعت معلوم کیا کرتے تھے۔

ایک روایت ہے کہ جب خواجہ طوسی نے ہلاکو کو مراغہ میں رصدگاہ تعمیر کرنے کے لیے کہا تو اس نے یہ اعتراض کیا کہ جب ایک کام ہونے والا ہے اور ہو کر رہے گا، تو اگر اس کا علم پہلے ہو جائے تو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ آخر اس رصدگاہ پر اتنا خرچ کرنے سے کیا حاصل؟ خواجہ نے خود اس رصدگاہ میں ایک تجربہ کر کے ہلاکو کو دکھایا۔ انھوں نے ایک طشت منگوایا اور بغیر کسی کو بتائے اسے رصدگاہ کے اوپر سے نیچے کو پھینکا گیا۔ جیسے ہی یہ طشت زمین پر گرا۔ اس سے ایک بلند شور ہوا اور سب حاضرین گھبرا گئے اور کسی کو کچھ پتہ نہ چلا کہ کیا معاملہ ہے، اس پر خواجہ نے ہلاکو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جس شخص کو کسی کام کے ہونے کا پہلے سے علم ہو، اس کام کے ہونے پر اس کا ردِ عمل اور ہوتا ہے اور جس کا علم نہ ہو، اس کا اور۔[۳]

رصدگاہ مراغہ کی تعمیر کا آغاز جمادی الاولیٰ ۶۵۷ھ (۱۲۵۹ء) میں ہوا۔ خواجہ طوسی نے ممالکِ اسلامیہ کے مختلف حصوں سے مشہور و معروف علمائے فلکیین جمع کیے۔ ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

کاتبی قزوینی۔ یہ ایران کے تھے، اُن کا شمار شافعی علمائے متکلمین میں ہوتا ہے منطق

---

۳؎ فوات الوفیات فی ترجمۃ الخواجہ الطوسی

میں اُن کی کتاب الشمسیہ اور حکمت العین ہے۔ اس کے علاوہ اُن کی اور بھی متعدد تصانیف ہیں۔ (۲) رکن الدین استرابادی جو موصل کے تھے۔ (۳) المویدالعرضی دمشق کے تھے۔ علم الھیئت میں اُن کی ایک مشہور کتاب ہے۔ (۴) قطب الدین شیرازی یہ بغداد کے ممتاز عالم تھے۔ ان کی فارسی میں علم النجوم پہ اختیارات مظفری کے نام سے ایک کتاب ہے۔ (۵) قومنجی (تومرجی) یہ چینی عالم تھے۔ اُن کا لقب سینگ سینگ یعنی عارف تھا۔

اُن کے علاوہ اور بھی متعدد علمائے فلکیین اس رصدگاہ میں جمع ہو گئے تھے۔ ان کے بعد ان کے شاگردوں نے رصدگاہ مراغہ میں اپنی تحقیقات جاری رکھیں اور اس طرح یہ سلسلہ آگے چلتا گیا۔ خواجہ طوسی کے متعلق بعد کے ایک مصنف ابن زین الدین متوفی ۹۹۲ھ نے لکھا ہے کہ چونکہ خواجہ وزارت کی ذمہ داریوں کا بار اُٹھائے ہوئے تھے اس لیے وہ رصدگاہ کی طرف پوری توجہ نہ دے سکے اور وہ اعلیٰ معیار کی رصدگاہ نہ بن سکی۔ معلوم نہیں مصنف مذکور کی یہ بات کہاں تک صحیح ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تاتاری یلغار کے اس دور میں خواجہ طوسی ہی کی کوششوں سے یہ علم محفوظ رہا۔ اور اس کے بعد اس میں ترقی ہوتی رہی۔

اسی دور میں بہت اور بھی علمائے فلکیین تھے، جو رصدگاہ مراغہ سے بے تعلق رہے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں: (۱) شریفی۔ علم الفلک میں ان کی ایک کتاب تاج المداخل ہے۔ اس کا ایک دوسرے عالم نے عربی میں ترجمہ کیا۔ (۲) ابنِ طاؤس، اُن کی کتاب فرج المہموم فی احکام النجوم نجف میں چھاپی گئی ہے۔ (۳) شمس الدین محمد سمرقندی۔ ان کی تحریر المجسطی کی شرح اور ایک کتاب الاشکال التاسیس ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ اس دور میں علم الفلک کے ساتھ ساتھ علم ریاضیات بھی ہوتا تھا اور ایک علم کے عالم دوسرے علم کے ماہر بھی ہوا کرتے تھے۔ غرض مسلمانوں کے ہاں سب سے پہلے عباسی خلافت کے دورِ اوّل میں عراق میں علم الفلک کی طرح پڑی۔ رصدگاہیں بنائی گئیں اور اس علم کی طرف خصوصی توجہ کی گئی۔ بغداد سے یہ علم اسلامی سلطنت کے دوسرے حصوں میں پھیلا اور وہاں اس کے ایسے مراکز قائم ہوئے۔ جو عباسی عہد کے مراکز کا مقابلہ کرتے تھے۔ ایران میں بھی اس علم کو بڑا فروغ ہوا، اور فاطمی خلفاء کے دور میں مصر و شام میں بھی اس کی ترویج

ہوئی۔ تاتاریوں کے دورِ اقتدار میں خواجہ طوسی کی کوششوں سے اس علم کو ایک بار پھر ابھرنے کا موقع ملا اور ان کی وجہ سے عراق، ایران اور بلادِ روم کے علمائے فلکیین کے درمیان ایک باقاعدہ علمی رابطہ قائم ہوا۔

رصدگاہ مراغہ کے ساتھ جو کتب خانہ تھا اس میں بغداد، عراق، جزیرہ (شمالی عراق) اور شام کے شہروں سے کتابوں کے ذخیرے لائے گئے۔ خود خواجہ طوسی دو بار بغداد صرف کتابیں لانے کے لیے گئے۔ اس طرح مراغہ میں ایک عظیم الشان کتب خانہ معرضِ وجود میں آیا[۵۴]۔ اس میں کوئی چار لاکھ کتاب تھی۔ اس کتب خانہ کا شہرہ دور دور تک تھا اور طالبِ علم ہر سمت سے اس کا رخ کرتے تھے۔ اس میں صرف علم الفلک پر کتابیں نہ تھیں، بلکہ دوسرے علوم کی کتابیں بھی فراہم کی گئی تھیں۔

اس کے علاوہ اسماعیلیوں کی کتابیں بھی یہاں لائی گئیں۔ جب منگولوں نے اسماعیلیوں کے قلعے فتح کیے تو عطا ملک جوینی نے ہلاکو خاں سے ان کے کتب خانوں سے کتابیں منتخب کرنے کی اجازت لی۔ چنانچہ اس نے وہاں سے بہت سی مفید کتابیں چن لیں۔ ان میں سے خاص طور پر قابلِ ذکر علم الافلاک پر کتابیں تھیں۔ نیز فلکی آلات تھے۔ انہی کتابوں میں بقول ملک جوینی ایک کتاب سرگذشت بابا سیدنا تھی جس میں حسن بن صباح کے حالات تھے۔ علاوہ ازیں بہت سے قرآن مجید کے منقش و مزین اور سنہری حروف میں لکھے ہوئے نسخے تھے۔ یہ سب مراغہ کے کتب خانہ کی زینت بنے۔

آخر میں ہم خواجہ نصیر الدین طوسی کی بعض مشہور تصنیفات کا تعارف کراتے ہیں۔ ان کی بعض کتابوں کا اب تک سراغ نہیں ملا ہے۔ کبھی کبھی ان کی کسی نئی کتاب کا پتہ چلتا ہے۔ پھر دنیا کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ان کی کتاب ہے۔

۱۔ زیج ایل خانی۔ مراغہ کی رصدگاہ کے بننے سے علم الفلک کے کئی مقاصد حاصل ہو گئے، ان میں ایک زیج ایل خانی ہے۔ اس کی ترتیب و تدوین میں کئی علمائے فلکیین شریک تھے۔ اس میں چنگیز خان، اس کی اولاد اور ان کی فتوحات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے :-

ہلاکو خاں نے ہمدان فتح کیا، پھر وہ بغداد پر قابض ہوا اور اس نے خلیفہ کو ہٹا دیا۔ وہ مصر کی حدود تک

---

۵۴ تاریخ العراق بین احتلالین، ج ۱، ص ۲۴۷

پہنچ گیا۔ اس نے باغیوں کو تو تباہ و برباد کر دیا لیکن اہلِ فنون کا احترام کیا اور انھیں ان کے مناسب مقام سے نوازا۔ یہ غلام نصیر الدین طوس کا ہے۔ میں ہمدان میں تھا کہ ہلاکو نے مجھے بلوایا اور رصدگاہ کے انتظام کے لیے چنا۔ اسی طرح علم الفلک کے اور علما کو طلب کیا۔ انھیں اس رصدگاہ میں کام کرنے کو کہا اور حکم دیا کہ اس میں بغداد، شام اور موصل سے کتابیں جمع کی جائیں اور ان سے استفادہ کیا جائے۔ آخر کار رصدگاہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ یہ زیچ ان چار مقالات پر مشتمل ہے۔ (۱) تاریخ، (۲) کواکب کی رفتار اور اُن کے مقامات طولاً و عرضاً۔ (۳) طلوع کواکب کے اوقات۔ (۴) دوسرے اعمالِ نجوم۔ اس زیچ کا ایک نسخہ کیمبرج اور ایک پیرس کی قومی لائبریری میں ہے۔ خود میرے پاس اس کے کئی نسخے ہیں لیکن بعض ان میں سے ناقص ہیں۔

اس زیچ سے پہلے بہت بڑی تعداد میں زیچیں موجود تھیں، لیکن مرورِ ایام سے ان میں نقص پیدا ہو گیا تھا۔ ایل خانی زیچ نے ان نقائص کو دُور کیا۔ اس زیچ کے بعد بھی بہت سی زیچیں مرتب ہوئیں۔ جن میں بعض میں اس کی وضاحت کی گئی تھی اور بعض میں اس کا اختصار تھا۔ اصلاح و ترقی کا یہ عمل اسی طرح جاری رہا، یہاں تک کہ الوغ بیگ کی مشہور زیچ مرتب ہوئی جس میں ایل خانی زیچ میں مزید تحقیقات کی گئیں اور اس میں دُوررس اصلاحات کیں۔

(۲) بیست باب۔ یہ اسطرلاب ہے جو بیس (بیست) ابواب میں ہے۔ اس کا ایک نسخہ آیا صوفیہ (استنبول) کے کتب خانہ میں ہے۔ اس کے متعدد نسخے دوسرے کتب خانوں میں بھی ہیں۔ خیال یہ ہے کہ لینن گراڈ (سوویت یونین) میں اس وقت اسطرلاب ہے، وہ وہی ہے جسے خواجہ طوسی خود استعمال کرتے تھے۔ اس کے بارے میں موسیو دورن لکھتے ہیں: معلوم ہوتا ہے یہ اسماعیلیوں کی اسطرلاب ہے اور جب ہلاکو نے اُن کے قلعوں کو فتح کیا تو یہ مالِ غنیمت میں آئی اور عطا ملک جوینی نے اسے حاصل کیا۔ پچھلے برسوں میں جب خواجہ طوسی کی سات سو سالہ برسی منائی گئی تو اسے جامعہ طہران سے پوچھا گیا تھا۔ اس کا ایک عربی نسخہ میرے پاس ہے جس میں بیس باب ہیں۔ یہ ۱۲۳۵ھ میں لکھا گیا۔ عربی نسخہ فارسی سے ترجمہ ہے، لیکن نقل کرنے والے کا نام نہیں دیا گیا۔

خواجہ طوسی کی اس اسطرلاب کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ خود خواجہ نے اسطرلاب پر بعض اور کتابیں لکھیں: لیکن وہ بیست باب کی طرح شہرت حاصل نہ کر سکیں۔

## اسطرلاب کی تشریح

اسطرلاب یونانی لفظ ہے، اور بعض اسے فارسی بتاتے ہیں اور اس کی اصل "ستارہ یاب" قرار دیتے ہیں۔ بعض اس لفظ کو اور پیچھے لے جاتے ہیں اور حضرت ادریس علیہ السلام کے بیٹے کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ عرب مسلمانوں میں سے سب سے پہلے یہ آلہ ابو اسحٰق ابراہیم نے بنایا جو علمائے فلکیین میں سے تھا۔ اس کا عہد منصور عباسی (۱۳۶ھ-۱۵۸ھ) کا ہے۔ اس کے بارے میں بہت کتابیں لکھی گئیں۔ ایرانی پارلیمنٹ کے کتب خانے میں اسطرلاب پر بہت سی کتابیں ہیں، ان میں سے ایک کتاب البیرونی کی ہے جس کے عنوان کا ترجمہ یہ ہے۔ "اسطرلاب کے بنانے کے بارے میں تمام ممکن ذرائع کا احصا"۔ الفہرست لابن الندیم میں یہ لکھا ہے: ۔ اسطرلاب کو بنانے کے متعلق عربی زبان میں بہت سی کتابیں ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب فرغانہ کے شہاب الدین احمد بن محمد کی 'الکامل' ہے۔ اسی کی ایک کتاب "صنعۃ الاسطرلاب بالہندسہ" ہے۔۔۔"

ایک مصری عالم احمد مختار صبری نے ایک رسالے میں اسطرلاب کی تاریخ بتائی ہے اور یونانیوں اور اسکندریہ کے بطلیموسیوں کے ہاں اس کے استعمال کی روداد پیش کی ہے۔ جامعہ طہران کے کتب خانہ مشکاۃ میں کئی اسطرلاب مع تصاویر کے ہیں۔

(۳) الزبدۃ فی الہیئۃ۔ یہ فارسی میں ہے۔ اس میں افلاک اور اجرام فلکی کی تشریح ہے۔ یہ شائع کیا جا چکا ہے۔ اس رسالے کا پورا نام "زبدۃ الادراک فی ہیئاۃ الافلاک" ہے۔ اس کا عربی ترجمہ "افضل المتاخرین ملک الفقہا والحکماء والمتکلمین نصیر الملۃ والدین علی بن محمد الکاشی" نے کیا۔

(۴) الرسالۃ المعینیہ۔ یہ فارسی میں ہے اور علم الہیئت پر ہے۔ اس میں چار مقالات ہیں۔ یہ رسالہ ایران میں چھپ چکا ہے۔

(۵) رسالہ حل مالا یحل۔ اس میں الرسالۃ المعینیہ کی شرح ہے، یہ بھی جامعہ طہران نے چھاپ دیا ہے۔

(۶) کتاب الثمرۃ فی احکام النجوم۔ اصل کتاب بطلیموس کی طرف منسوب ہے، خواجہ طوسی نے اس کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا اور اس کی شرح بھی کی۔ یہ کتاب علم النجوم پر ہے۔

(۷) رسائل الخواجہ الطوسی۔ یہ ۱۶ رسالے ہیں اور حیدرآباد دکن سے ۱۳۵۹ھ میں دو جلدوں میں شائع ہوتے ہیں۔ ایک رسالہ الشافیہ کے نام سے ہے، جس میں اقلیدس کی تیسری شکل پر خواجہ نے تنقید کی ہے۔

(۸) تحریر المجسطی - المجسطی اُن کتابوں میں سے ہے جو عباسی خلافت کے اوائل میں عربی میں ترجمہ کی گئی۔ خواجہ طوسی نے اس کی شرح کی ہے، المجسطی کو بڑی شہرت ملی اور اس کے بارے میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ البیرونی نے اپنی کتاب "تحقیق ما للهند من مقولة" میں اس پر تنقید کی ہے - نیز البیرونی نے اپنی دوسری کتابوں میں اس پر اعتراضات کیے ہیں۔

(۹) تحریر اقلیدس فی اصول الہندسہ والحساب - طوسی نے لکھا ہے کہ تحریر المجسطی سے فارغ ہونے کے بعد میں نے یہ کتاب لکھی (۲۲ شعبان ۶۶ ھ) اس کتاب کی بہت سی شرحیں کی گئی ہیں۔

علم الفلک اور اس سے تعلق رکھنے والے موضوعات پر خواجہ نصیر الدین طوسی کی یہ مشہور ترین تصنیفات ہیں۔ خواجہ کو قدما کے علم سے بڑا شغف تھا اور وہ اپنے عہد میں اس علم کے ایک مستند علیہ مرجع تھے - علم الفلک کے علاوہ وہ ریاضی اور نجوم میں بھی بڑا عبور رکھتے تھے اور ان علوم اور فلسفہ اشراقیہ (نوافلاطونیت) سے ان کا بڑا اشتغال تھا۔ اس میں شک نہیں کہ فرقہ باطنیہ یعنی اسماعیلیوں کی ان علوم کی طرف بڑی توجہ تھی اور زیادہ صحیح الفاظ میں وہ ان علوم کی صحت پر یقین رکھتے تھے بلکہ یہ علوم ان کے عقائد میں داخل تھے۔

وہ زمانہ گذر گیا۔ اب ان علوم کی حیثیت ایک تہذیبی و تاریخی ورثے کی رہ گئی ہے اور مختلف زمانوں میں ان علوم کا جس طرح ارتقا عمل میں آیا، ان کے مطالعہ سے اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ آج ان علوم پر لوگوں کو اعتقاد ہے یا نہیں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہلاکو خاں ان کی صحت پر اعتقاد رکھتا تھا اور نجومیوں سے رائے لیے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ ان علوم کا باطنیوں یعنی اسماعیلیوں اور غالی صوفیہ پر بڑا اثر تھا۔

یہاں ہمارے پیش نظر صرف یہ ہے کہ علم الفلک سے خواجہ طوسی کے شغف اور اس پر جو کچھ انھوں نے تصنیفات کی ہیں، ان پر بحث کریں۔ یہ تو ایک واقعہ ہے کہ اس علم ہی کی وجہ سے خواجہ طوسی کو ہلاکو خاں سے تقرب حاصل ہوا اور وہ اسے اس پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوئے کہ مراغہ میں رصدگاہ تعمیر ہو۔

خواجہ طوسی کی تصنیفات کی غیر معمولی اہمیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ بہت سے علما نے انھیں اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا۔ اُن کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ ان کی شرحیں لکھی گئیں اور اس طرح اس علم پر بحث و نظر کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اگر آج ان علوم کی سائنسی علمی حیثیت پہلے کی سی نہیں رہی لیکن اُن کی تاریخی و تہذیبی اہمیت برابر قائم رہی ہے۔